راجندر سنگھ بیدی کا نظریۂ فن اور ان کے افسانوں کا تعین قدر

شاذلی خان
ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو
الہٰ آباد یونیورسٹی

ملخص

اُردو کے بڑے افسانہ نگاروں میں ویسے تو کئی نام لیے جاسکتے ہیں لیکن سعادت حسن منٹو، کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی کا ذکر کیے بغیر بات مکمل نہ ہوگی۔ یکم ستمبر 1915ء کو پیدا ہونے والے راجندر سنگھ بیدی کا تعلق ترقی پسند تحریک سے تھا۔ انہوں نے اردو افسانہ نگاری میں اپنا ایک الگ مقام بنایا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام لاہور میں گزارے۔ جہاں انہوں نے اردو میں تعلیم حاصل کی۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''دانہ و دام'' تھا۔ جس میں ان کا معرکہ آرا افسانہ ''گرم کوٹ'' بھی شامل تھا۔ یہ افسانوی مجموعہ 1940ء میں شائع ہوا۔

1942ء میں ان کا دوسرا افسانوی مجموعہ ''گرہن'' شائع ہوا۔ ان کے افسانوں کے بعض کردار امر ہو چکے ہیں۔ ان کے افسانوں کی ایک اور بڑی خوبی ان کی قوت مشاہدہ ہے۔ ان کے افسانوں میں ہمیں طنز و تشنیع بھی ملتا ہے۔ ان کے طنز کرنے کا انداز بھی بہت متاثر کن ہے۔ وہ روایتی انداز سے ہٹ کر طنز کے تیر چلاتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی بظاہر سادگی سے کہی ہوئی بات طنز کی چادر میں لپٹی ہوتی ہے اور بادی النظر میں یہ ہرگز محسوس نہیں ہوتا کہ بیدی نے طنز کے تیر چلائے ہیں۔ ذرا سا غور کریں تو پھر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ افسانہ نگار کمال مہارت سے اپنے فن کے جوہر دکھا گیا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی

1982ء میں شدید علیل ہو گئے اور اسی سال وہ چل بسے۔ان کی یاد میں بھارتی پنجاب کی حکومت نے راجندر سنگھ بیدی ایوارڈ کا اجرا کیا یہ ایوارڈ ان کی اردو ادب کی خدمات کے حوالے سے شروع کیا گیا۔ راجندر سنگھ بیدی نے اردو ادب کی جتنی خدمت کی اور پھر اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی مکالمہ نگاری سے جو مقام بنایا اُس حوالے سے اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ احساس کی کوئی زبان نہیں ہوتی، خیالوں کا کوئی جسم نہیں ہوتا، حقیقتوں کا کوئی رنگ نہیں ہوتا اور جذبات کی کوئی شکل نہیں ہوتی، لیکن جب ہم راجندر سنگھ بیدی کو پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے، جیسے احساس کو زبان مل گئی ہو، خیالوں کی تجسیم ہو گئی ہو، حقیقتوں نے خوبصورت رنگ اپنا لئے ہوں اور جذبات نے مختلف روپ دھار لئے ہوں۔ یہی ایک فن کار کی عظمت کی دلیل ہے اور اس کے فن کی سچائی کا ثبوت بھی۔

ہر فن کار کی زندگی میں اس کے پس منظر اور ماحول کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے، بیدی دائم المریض ماں کے سایہ اور ایسے ماحول میں پلے جہاں بچہ خوف، ڈر کی کیفیت کا شکار ہوتا ہے۔تنہائی اور خوف کے عالم میں انہیں بچپن میں کہانیاں سننے کا شوق ہوا، اور یہی عادت آگے چل کر خود کہانی کہنے کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ان کی زندگی میں خوشیاں کم اور غم زیادہ آئے، اس لئے ان کے افسانے زندگی کی طرح وسعت لئے گہرے ہوتے ہیں، جس میں بیدی کی اپنی شخصیت کی آگ بھی شامل رہتی ہے۔

بیدی نہ صرف ایک اعلیٰ فن کار تھے، بلکہ ایک ماہرِ لسانیات اور نقاد بھی تھے۔ان کی تحریر انسان دوستی کی آیینہ دار ہے۔انہوں نے یقیناً زندگی کے بارے میں اس مسکین، محدود اور ایک حد تک میکانکی روےّ سے گریز کیا ہے۔زندگی کو اس کی ہر ادا میں آزادانہ دیکھا ہے۔اس کا رس اور ذائقہ چکھا ہے۔اس کے دکھوں اور اذیتوں کو اس کی لذتوں کے طوفان کو اپنے وجود میں محسوس کیا ہے۔اس کے شواہد ان کے افسانوں اور زندگی کے واقعات دونوں میں تلاش کئے جا سکتے ہیں

۔انھوں نے اپنے نظریہ کے متعلق خود لکھا ہے:۔

''میں انسان کے مانند رہنا چاہتا ہوں ۔ایک ایسے مقام پر پہنچنے کی تمنّا رکھتا ہوں جو ہر تمنّا سے بے نیاز ' کہتے ہیں اور جو صرف جاں کاوی کے بعد ہی آتی ہے۔''

اردو افسانوی ادب میں پریم چند کے بعد افسانے کو نئی سمت عطا کرنے والوں میں منٹو، کرشن چندر اور عصمت کے ساتھ بیدی کا نام بھی نمایاں ہوا۔ پریم چند کے بعد اردو افسانوی ادب نے وسعت اور کشادگی کی طرف قدم بڑھایا تو، یہ چاروں نام اپنی جداگانہ خدمت کے ساتھ سامنے آئے ۔کرشن چندر کے یہاں رومانوی انداز کی کارفرمائی رہی تو منٹو نے سماجی وثقافتی بیان میں طنز کی آمیزش سے کام لیا۔عصمت نے بے باک نسوانی مسائل کے اظہار کا پیرایہ اور بیدی نے فکشن نگاری میں انسانی نفسیات اور خاص کر عورت کی نفسیات پر گہرے شعور کا مظاہرہ کیا ہے،جس میں عورت کی نفسیات پر گہری نظر نے ان کو فکشن ادب میں ایک ممتاز مقام کا حامل بنا دیا۔انگریزی کے ایک ممتاز اور باکمال ناول نگار ہنری جیمس نے اپنے ایک مقالہ میں افسانہ نگار کے لئے تجربہ کی نوعیت اور اہمیت کو اس طرح واضح کیا ہے:۔

''یہ بات بیک وقت نفیس اور بے نتیجہ بھی ہے کہ ہر شخص کو اپنے تجربہ سے لکھنا چاہئے ۔۔۔۔۔۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس قسم کا تجربہ ہونا چاہئے اور وہ تجربہ کہاں سے شروع اور کہاں ختم ہوتا ہے ۔تجربہ کبھی محدود نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی مکمل ہوتا ہے ۔وہ ایک نہایت وسیع اور بے انتہا ادراک کا نام ہے ۔ایک قسم کا بہت بڑا مکڑی کا جالا جو حد سے زیادہ مہین ،ریشمی دھاگوں سے بنا ہوتا ہے۔ یہ جالے شعور کے کمروں میں لٹکے ہوتے ہیں اور ہوا میں ہر ذرے کو اپنے جال میں پھانس لیتے ہیں ۔تجربہ ذہن کی فضا کا نام ہے اور جب ذہن جو جینیس (Genious) بھی ہو تو وہ زندگی

کے ہلکے سے ہلکے اشارے جذب کرتا چلا جاتا ہے اور ہوا کی نبضوں کو الہام
میں تبدیل کر دیتا ہے۔'' (ترجمہ جمیل جالبی)

جس فن کار کا تجربہ کا آفاقی یعنی اس کا احساس وادراک، اتنا محیط اور بے کراں ہوتا ہے ،وہ روزمرہ زندگی کی عام اشیاء اور معمولی واردات میں بھی معنویت کے غیر معمولی پہلو تلاش کر لیتا ہے۔وہ زندگی کو ایک اکائی مان کر چلتا ہے۔اپنے وجود سے باہر زندگی کے وجود کو تسلیم کرتا ہے ۔اس کے ارتقاء کے قوانین پر نظر رکھتا ہے،لیکن وہ اسے انسانی جذبات اور محسوسات کے مانوس پیکروں میں پیش کرتا ہے۔

بیدی کے فن اور شعور فن کو سمجھنے میں یہ بہت اہم نکتہ ہے۔وہ افسانے میں غیر معمولی یا حریت خیز واقعات اور عمل سے تجسس اور دلچسپی پیدا نہیں کرتے اور نہ ہی آخر میں اچانک Twist دے کر وہ افسانہ کو کسی غیر متوقع موڑ پر ختم کرتے ہیں،اس لئے کہ تحیر زائی کے اس عمل سے قاری محظوظ تو ہوتا ہے اور ایک خاص نوع کی جمالیاتی تسکین بھی حاصل کرتا ہے،لیکن اس کا دل و دماغ اس دیرپا اور ہمہ گیر تاثر سے محروم رہتا ہے، جو افسانہ میں مختلف النوع انسانی حالتوں، رشتوں اور قدروں کی لہروں کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتا ہے۔بیدی کے افسانوں میں آہستگی لیکن تواتر کے ساتھ اٹھنے والی یہ سبک لہریں نہ صرف پلاٹ بلکہ ایک ایسے پیٹرن کو بھی جنم دیتی ہیں جو جمالیاتی تکمیل کے اعتبار سے ان کے افسانوں کو ان کے معاصرین کی تخلیقات سے ممتاز کرتا ہے۔

چونکہ بیدی کا فن رمزیت، تہداری اور مدھم لب و لہجے کا فن ہے۔تہہ داری اور رمزیت نفسیاتی دروں بینی دانش عصر کی سب سے بڑی دین کہا گیا ہے، جو رحمت بھی ہے اور زحمت بھی ۔فکری اعتبار سے انسانی تہذیب کی تاریخ ذہن کے پیکر محسوس سے تجرید و تعمیم کی طرف ارتقاء کی داستان ہے۔اور آج کے عالمی افسانوں میں بنیادی کشمکش مرئی اور مادّی نہیں ،نفسیاتی اور داخلی ہے اور کردار حسن و جمال، عمل اور ماورائی طاقتوں سے متصف ہونے کے بجائے پہلودار اور پیچیدہ ہیں۔

بیدی کے افسانے اس جدید افسانوی مزاج سے کافی قریب ہیں ۔سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ بیدی کے اعصاب پر نہ عورت سوار ہے نہ شاعری، نہ وہ محض رومانی ہیں، نہ محض جذباتی۔مہدی آفادی نے محمد حسین آزاد کو'اردوئے معلیٰ' کا ہیرو قرار دیا تھا کہ ان کا انداز بیان نہ سرسید کی طرح معقولات کا دست نگر ہے، نہ حالیؔ اور شبلیؔ کی طرح سیرت ،علم تاریخ اور علم کلام کا ۔یہی بات اردو افسانے کے ہیرو بیدی کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔بیدی ہمارے ان چند افسانہ نگاروں میں سے ہیں ،جن سے اگر رومان اور سیاست چھین لئے جائیں ،تب بھی ان کا قلم اپنی روانی نہ بھولے گا۔

اگر بیدی کے افسانے کا فکری اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ انسان کی جبلی معصومیت ان کا بنیادی موضوع ہے۔یہ جبلی معصومیت حالات کی تبدیلی اور ماحول کی چیرہ دستی کے ہاتھوں کبھی کبھی ستم ظریفی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔کبھی یہ حالات پر طنز بن جاتی ہے،کبھی خود ہماری اقدار اور تعصّبات پر اور کبھی خود اس معصوم انسان پر جو اپنی معصومیت کا شکار ہو جاتا ہے ۔'بھولا'، ہمدوش ،رحمٰن کے جوتے ، پان شاپ،کوکھ جلی،خط مستقیم ،قوسین، چیچک کے داغ، جب میں چھوٹا تھا، گالی، حتیٰ کہ گرہن، غلامی، لاجونتی، اپنے دکھ مجھے دے دو، جیسی سنگین کہانیوں میں اس معصومیت کا ایک ستم ظریفانہ پہلو نمایاں ہے۔دوسری قسم کی کہانیوں میں اس معصومیت کے اظہار کی شکل اور بھی زیادہ مشترک اور مماثل ہے۔ان میں 'من کی من میں' 'منگل اشٹکا' 'بچھمن' اور 'چھوکری کی لوٹ' شامل ہیں ۔ان کا تیسرا ذریعۂ اظہار 'زین العابدین' ،اور 'بیکار خدا' میں نظر آتا ہے اور ایک موضوعاتی اشتراک اس بھولے پن اور معصومیت کا اظہار کا 'مہاجرین' ،'ردِ عمل' اور 'موت کے راز' میں جھلکتا ہے۔ایک اور قسم ان کی کہانیوں کی ہے جس میں 'تلادان' اور 'دس منٹ بارش میں' شامل ہے۔

بیدی نے بعض افسانوں میں ناگہانی حادثات سے کام لیا ہے جو واقعات اور کرداروں کو اچانک ایک نیا روپ دے دیتے ہیں ،اور کہانی کو ایک نیا موڑ بخشتے ہیں ،لیکن زیادہ تر کہانیوں

میں کشمکش تصورات اور اقدار کی ہے۔ بعض کہانیوں میں تصورات اور اقدار کا یہ موڑ اتنا قدرتی ہے ، کہ تقریباً غیر محسوس سا ہو گیا ہے، جس سے یہ پتہ چلنا بھی مشکل ہوتا ہے کہ نقطۂ عروج کہاں سے شروع ہوتا ہے، اور کون سے عناصر و عوامل سے اس کی تشکیل ہوتی ہے۔ مثلاً 'اپنے دکھ مجھے دے دو ' میں نقطۂ عروج اس وقت پیدا ہوتا ہے جب پتا جی کی موت کے بعد مدن کا کاروبار چل نکلتا ہے اور اس کا من دوسری عورتوں کے روپ میں لہرانے لگتا ہے اور اچانک اندو کو پتہ چلتا ہے کہ ابھی مدن کو وہ سب کچھ نہیں دے پائی ہے، جس کی اسے اشد ضرورت تھی۔ گویا یہاں آویزش مرد اور عورت کے فطری آدرشوں اور نفسیاتی یا جذباتی مطالبات کی ہے۔ یہ محض مدن اور اندو کی کہانی نہیں ، آفاقی داستان ہے۔

بیدی کے یہاں زیادہ تر کشمکش جذباتی اور تصوراتی ہے اور اس وجہ سے ان کی کردار نگاری میں تجرید اور تعمیم کا عنصر نمایاں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان تصورات اور جذبات کے حالات سے بڑا گہرا تعلق ہے اور حالات کی ایک کروٹ اچانک ایک ہی قدر کو کچھ کا کچھ بنا دیتی ہے۔ اس قسم کی کشمکش کی بنیاد پر افسانے لکھنے کے لئے انسانی جذبات کی لطیف ترین تہوں تک پہنچنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے ایک ذہن کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو ظاہر سے آگے قدم بڑھا کر باطنی احساس کی رمزیت کو سمجھ سکے۔

بیدی کے فن کے بارے میں سب سے اہم اور نمایاں بات یہ ہے کہ اس کا در و بست فن تعمیر کا سا ہے۔ اس کا مزاج علامتی ہے اور اسی علامت و رمزیت کے سہارے سے وہ اپنے فن کی پوری کائنات خشت بہ خشت چنتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے ، جسے بیدی سے پہلے اور بیدی سے لے کر اب تک کسی دوسرے فن کار نے اردو افسانے میں استعمال نہیں کیا۔ بیدی نے جس طرح رمزیت اور علامتوں کو مختلف سطحوں پر استعمال کیا ہے، وہ خاصے کی چیز ہے۔ اس کی چند مثالیں 'دس منٹ بارش میں'، 'لاجونتی'، اور 'ایک چادر میلی سی'، میں دیکھی جا سکتی ہے۔

جب کبھی بیدی کہانی لکھتے ہیں، تو وہ محض ایک ہیرو یا ایک ہیروئن کی جذباتی یا نفسیاتی

روداد نہیں ہوتی ، بلکہ اس مرکزی جذبے سے پوری فضا رنگ جاتی ہے ۔مرکزی تصور پیڑ پودوں ، پورب کی ہوا، لہراتی ہوئی شاہراہ، چرند پرند، چاند سورج حتٰی کہ فطرت کے ہر منظر کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور افسانہ پڑھنے والے کی توجہ بنیادی تصور کے رنگ و آہنگ کی طرف کھینچ لیتا ہے ۔گویا ان کی ہر کہانی بیک وقت ایک اندرونی اور خارجی مطابقت (parallelism) سے معمور ہوتی ہے۔ ہر مرکزی خیال ایسا مسلم ہوتا ہے،جس کی مثال افسانے کیدنیا کا ذرہ ذرہ گواہی دیتا ہے ۔ایک چادر میلی سی کے ابتدائی حصے پر غور کیجئے ،منظر ہی ایسا ہے جو کہانی کے پہلے حصے کی فضا کو خاموش رمزیت کی زبان میں بیان کردیتا ہے:۔

''آج شام سورج کی ٹکیہ بہت ہی لال تھی۔۔۔۔آج آسمان کے کوٹلے میں کسی بے گناہ کا قتل ہوگیا تھا اور اس کے خون کے چھینٹے نیچے بکائن پر پڑتے ہوئے نیچے تلوکے کے صحن میں ٹپک رہے تھے۔ٹوٹی پھوٹی کچی دیوار کے پاس جہاں گھر کے لوگ کوڑا پھینکتے تھے،ڈبو منہ اٹھا اٹھا کر رورہا تھا''۔

غرض کہ بیدی صف اول کے افسانہ نگار ہیں،انہوں نے گھریلو زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کو کہانی کی شکل دے کرار دو افسانے کو نئی مسرت و بصیرت سے آشنا کیا۔ابتدائی دور میں انہوں نے افسانہ ''گرم کوٹ'' لکھا۔حقیقتاً یہ بیدی کا آپ بیتی ہے،مگر اس کی کائناتی اپیل نے اسے متوسط طبقے کی کہانی بنادی ہے۔'گرم کوٹ' کے علاوہ'لاجونتی'،گرہن، بھولا،لمبی لڑکی،اپنے دکھ مجھے دے دو،وغیرہ بیدی کے اہم اور معنی خیز افسانے ہیں،جن میں ملک وقوم کی ایک بڑی زندگی سانس لے رہی ہے۔ بیدی کے افسانوں کے موضوعات اپنے گرد وپیش اور عام آدمی کے مسائل ،آرزوؤں اور ارمانوں کی زندہ تصویریں ہیں۔ان کی کہانیوں کا موضوع عوامی زندگی کے وہی مسئلے ہیں جو آرام و آسائش اور آدمی کی داخلی زبوں حالی اور اس کی خارجی زندگی کو ایک مضحکہ خیز داستان بناتی ہے۔

راجندر سنگھ بیدی کے افسانے حقیقتوں کے اظہار کا فن کارانہ نمونہ ہیں۔انھوں نے اپنے

افسانوں میں اپنے آس پاس کی زندگی، زندگی کی تکلیفیں، رنجشیں، محبتیں اور خوشیوں نیز غموں کا ایسا مرقع بنایا ہے، جو پڑھنے والوں پر گہرا تاثر مرتب کرتا ہے۔ وہی لوگ، وہی رنج، اور وہی دکھ جس سے ہم روز جوجھتے ہیں ان کے افسانوں میں حددرجہ معنی خیز اور نوکیلے ہوکر سامنے آتے ہیں۔ بیدی جانتے ہیں کہ حقیقت کوئی بھی ہو اسے بیان کرنے کے لئے ایک گہری بصیرت والی زبان چاہئے، جیسے ''رحمٰن کے جوتے'' کا مندرجہ ذیل اقتباس دیکھئے۔۔۔۔

رحمان اپنی بیٹی کے گھر بہت دنوں کے بعد کچھ سندیس لے کر جارہا ہے۔ ریل میں سامان کسی نے چرالیا صرف چادر میں بندھے مکئی کے بھٹے بچ گئے۔ اس کی لڑائی کانسٹیبل اور ٹکٹ بابو سے ہوئی دونوں نے مار کر اسے اسٹیشن پر لڑھکا دیا، اسپتال پہنچا۔ اسپتال میں اسے قے ہونے لگا اس دوران اس نے دیکھا کہ اس کے جوتے کے اوپر دوسرا جوتا چڑھا ہوا ہے اور اس نے کہا:۔

> ''ڈاکٹر جی مجھے سفر پر جانا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں میرا جوتا جوتے پر کیسے چڑھ رہا ہے۔ ڈاکٹر جواباً مسکرایا اور بولا ہاں ہاں بابا تو نے بڑے لمبے سفر پر جانا ہے۔۔۔۔ پھر رحمان کے سرہانے کی چادر ٹٹولتے ہوئے بولا لیکن تیرا زادہ راہ کتنا ناکافی ہے ۔۔۔۔۔۔ یہی فقط ۔۔۔۔۔ اتنا سفر ۔۔۔۔۔۔ رحمان نے زادِراہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور ایک بڑے لمبے سفر پر روانہ ہوگیا''۔

سامنے کی زبان میں لکھا گیا ہے یہ واقعہ کتنی گہرائی میں قاری کو لے جاتا ہے۔ ہمارے سماج میں بعض رسومات اور اعتقادات کتنے بھید بھرے ہوتے ہیں۔ جوتے پر جوتے کا چڑھنا ایک عقیدہ ہے کہ انسان ایسے میں سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے ''سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں''۔ رحمان کے پاس تو سامان بھی مختصر تھا اسے جانا تو بیٹی کے گھر تھا پر کہاں کے سفر پر چلا گیا۔ غور کیجئے بیدی نے اس سامنے کے واقعہ میں کیا کیا دیکھنے اور دکھانے کی سعی کی ہے۔ اسے یہی حقیقت کی پرتوں کو کریدنے کا عمل کہتے ہیں۔

بلاشبہ بیدی ایک عظیم ترین افسانہ نگاروں میں شمار کئے جاتے ہیں اوران کے مدھم لب ولہجہ ،ان کی تہداری، رمزیت ،ان کی طرح داری اور خلوص کی کھنک کئی زمانے سے اردو دنیا کے کانوں میں گونج رہی ہے اور اردو افسانے کو ایک نئی راہ دکھا رہی ہے۔ان کیا فسانے اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ انھوں نے زندگی کی حقیقتوں سے فرار حاصل کرنا نہیں سیکھایا ہے بلکہ اس کی بے رحم سچایئوں ،زخمی صداقتوں اور کمزور کیفیات سے نبرد آزما ہونے کا درس دیا ہے۔بہرحال راجندر سنگھ بیدی اردو افسانے کے قصر بلند کا ایک اہم ترین ستون ہیں۔